اُردو صحافت میں طنز و مزاح: چند مباحث

فہد وقار عظیم
ریسرچ سکالر پی ایچ۔ڈی (اُردو)
یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لوئر مال کیمپس، لاہور

HUMOUR AND SATIRE IN URDU JOURNALISM

Fahad Waqar Azeem
Research Scholar (Urdu)
University of Education, Lower Mall Campus, Lahore

Abstract

There is no doubt that humour and satire in Urdu Journalism was formally started with the launching of "Awadh Punch" in 1877. Most of the scholars considered column writing and humoristic journals as main promoter of Urdu literary humour and satire. This article theorizes other than this view point and asserts that they were not the only platforms of humour though they had played a very significant role in this regard. A few misconceptions have also been discussed for exploring the kind of qualitative difference that exist in humour and satire propagated through, column writing, humoristic journals and literary journals.

Keywords:

Munshi Sajjad Husain, Sir Syed Ahmad Khan, Wazir Agha, Anwar Sadeed, Rauf Parekh, Fozia Chaudhry, Zafar Alam Zafri.

اُردو صحافت میں طنز و مزاح کا با قاعدہ آغاز ''اودھ پنچ'' کی اشاعت سے ہوتا ہے۔یہ ہفت روزہ اخبار منشی سجاد حسین کی ادارت میں نکلتا تھا جو خود ظریفانہ طبیعت کے مالک تھے۔یہ پرچہ سر سید احمد خان کی تحریک کا شدید ردِ عمل تھا جس نے سماجی ناہمواریوں، قدامت پرستی اور مغرب کی کورانہ تقلید پر کاری ضرب لگائی اور طنز و ظرافت کو بطور ہتھیار کے استعمال کیا۔البتہ اس طنز و ظرافت کا معیار اتنا بلند نہ تھا کیوں کہ اس میں ہنگامی نوعیت کے واقعات کا مضحکہ یا تمسخر اُڑایا جاتا تھا۔اس ضمن میں ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں :

''البتہ صحافتی مزاح کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو طعن و تشنیع کی وہ روش جسے ''اودھ پنچ'' نے خاص طور پر اپنایا اور جس کی مدد سے اس اخبار نے معاصرین کی پگڑیاں اُچھالنے ،اُنہیں ذلیل کرنے اور بعض اوقات دلائل کے بجائے محض ابتذال اور پھکڑ پن سے کام لینے کی کوشش کی خاصی قابلِ اعتراض روش تھی ۔اس قدر کہ آج بھی اودھ پنچ کی پیشانی پر ایک بدنما دھبے کی طرح نظر آتی ہے۔''(۱)

اودھ پنچ کے بارے میں اپنی اس رائے کو ڈاکٹر وزیر آغا نے آگے چل کر معتدل بنانے کی کوشش کی ہے اور اودھ پنچ کی تاریخی حیثیت کو تسلیم کیا ہے کہ: ''ابتذال اور پھکڑ پن اور طعن و تشنیع کی اس روش سے قطع نظر مسائل حاضرہ پر سجاد حسین کی بحث کا ظریفانہ انداز ایک تاریخی حیثیت کا حامل ہے۔''(۲)

اودھ پنچ کے طنز و مزاح کے معیار پر ڈاکٹر انور سدید نے کچھ اس طرح روشنی ڈالی ہے:

''پنچ نے طنز و مزاح کا معیار تو بلند نہیں کیا لیکن اسے ایک با قاعدہ فن کا درجہ دیا اور خبری صحافت میں طنز و مزاح پر مبنی صحافت کی طرح ڈالی ۔''اَودھ پنچ'' اُردو کا پہلا اخبار ہے جس نے طنز و مزاح کو مقصودِ اشاعت قرار دیا، طنز و مزاح لکھنے والوں کی ایک جماعت پیدا کی اور طنز و مزاح کے مختلف اماثل کو فروغ دیا۔''اودھ پنچ'' کی اس تاریخی اہمیت کا اعتراف ہر دور میں کیا گیا ہے۔''(۳)

اگرچہ کچھ مزاحیہ پرچے ''اودھ پنچ'' سے پہلے بھی جاری ہوئے لیکن ان پرچوں کا مزاحیہ صحافت کی روایت میں کوئی اہم کردار نہیں ۔''اودھ پنچ'' کی مقبولیت کے زیرِ اثر پنچی اخبارات کا ایک

لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا جس کی فہرست ڈاکٹر فوزیہ چودھری نے اپنی کتاب ''اُردو کی مزاحیہ صحافت'' میں بحوالہ ''اختر شہنشاہی'' مہیا کر دی ہے جن کی تعداد ۹۱ بنتی ہے۔(۴) ''اودھ پنچ'' ایک ملکی سطح کا اخبار تھا جس میں سیاست اور وقتی مسائل کو ہدف بنا کر مزاح کے پردے میں طنز کی سعی کی گئی جب کہ اس کے تتبع میں جاری ہونے والے دیگر پنچی اخبارات علاقائی نوعیت کے تھے جو بھونڈے طریقے سے مزاح پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

اس پنچی صحافت کے متوازی مجلّاتی صحافت کی ایک دوسری رو بھی ہمیں اس دور میں نظر آتی ہے جس کا آغاز یکم ستمبر ۱۸۴۷ء کو ''خیر خواہِ ہند'' جو بعد میں ''محبِّ ہند'' کہلایا، سے ہو چکا تھا۔(۵) اس کی تقلید میں ''ہمائے بے بہا'' (۱۸۵۳ء)، ''معلمِ ہند''، ''خورشید پنجاب'' (۱۸۵۶ء)، ''نورٌعلیٰ نور'' (۱۸۵۳ء)، ''مفید خلائق'' وغیرہ جاری ہوئے جن پر بعد میں آنے والے ادبی رسائل نے اپنی بنیاد رکھی۔ان رسائل میں ''رسالہ انجمن''، ''تہذیب الاخلاق''، ''تیرہویں صدی''، ''محشر''، ''دلگداز''، ''محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میگزین'' ''افسر'' اہم ہیں۔یہ رسائل بیسویں صدی کے آغاز سے پہلے جاری ہو چکے تھے۔اگرچہ ان پرچوں میں طنزیہ و مزاحیہ تحریریں تو نہیں ملتی البتہ کچھ جملوں کی حد تک طنز پایا جاتا ہے۔اس دور میں مزاح کی کیا صورتحال تھی اس ضمن میں ڈاکٹر رؤف پاریکھ لکھتے ہیں :

> ''انیسویں صدی کے اختتام تک پہنچتے پہنچتے اُردو نثر میں مزاح کا ایک جاایسا ذخیرہ مہیا ہو چکا تھا جو اگرچہ کم مایہ تھا لیکن تنوع کا حامل تھا اور اس میں بتدریج ارتقاء بھی ہوا تھا۔اس کے بعض عمدہ نمونوں کو مدنظر رکھ کر لکھنے والے سمجھ سکتے تھے کہ کس طرح شگفتگی کے پردے میں معاشرتی برائیوں اور ناہمواریوں پر تنقید کرنے اور قارئین کو ذہنی مسرت و بہجت پہنچانے کے اہم فریضے انجام دیے جا سکتے ہیں۔اس میں مزید ترقی کی گنجائش تھی جس سے آئندہ کے مزاح نگاروں نے فائدہ بھی اُٹھایا۔''(۶)

بیسویں صدی کے آغاز میں ادب و مزاحیہ رسائل کا اجرا اس انداز میں نہ ہوا جو ہمیں ''اودھ پنچ'' کی اشاعت سے لے کر انیسویں صدی کے اختتام تک نظر آتا ہے۔بیسویں صدی کے ربع اول میں اس کمی کو فکاہیہ کالم نگاری نے پورا کیا۔مولانا ابوالکلام آزاد کا کالم ''افکارِ حوادث''، ''الہلال'' میں شائع ہوتا رہا جس میں طنز کی شدت تو نظر آتی ہے لیکن مزاح دب کر رہ گیا۔اسی دور میں

''ہمدرد'' اخبار میں بمبوق اور سید محفوظ علی بدایونی کی نگارشات شائع ہوتی تھیں۔ ''زمیندار'' میں مولانا ظفر علی خان کی طنزیہ شاعری شائع ہوتی تھی تو ''زمیندار'' کے علاوہ، ''ہمدرد'' اور ''الہلال'' میں شبلی بھی طنزیہ نظمیں لکھتے تھے۔ فکاہیہ کالم نگاری کی اِس روایت کو عبدالمجید سالک اور چراغ حسن حسرت نے مزید معتبر بنانے میں اپنا کردار ادا کیا جو بعد میں لکھنے والوں کے لیے بہترین مثال تھے۔

بیسویں صدی کے آغاز میں شیخ عبدالقادر کا ''مخزن'' جاری ہوا تو اس کے ساتھ ہی ''اُردوئے معلّٰی'' اور ''زمانہ'' جاری ہوئے جس سے ادبی صحافت کو صحت مند کروٹ ملی تو بہت سے ادبی رسائل اور دوسرے تیسرے عشرے میں وجود میں آئے۔ ان میں ''ہمایوں''، ''نگار''، ''ساقی''، ''عالمگیر''، ''نیرنگ خیال''، ''ادبی دنیا'' اور ''ادب لطیف'' اہم ہیں جو قیامِ پاکستان کے بعد بھی شائع ہوتے رہے۔ ان رسائل نے پہلے پہل سالناموں کی روایت کا آغاز کیا اور بعد میں ''نیرنگِ خیال'' نے خاص نمبر شائع کرنے کا سلسلہ شروع کیا جس میں کسی ایک شخصیت یا موضوع پر مواد یکجا کر کے پیش کیا جاتا تھا۔

ان رسائل نے مختلف اصنافِ نظم و نثر پر خاص نمبر شائع کر کے نہ صرف ادب کا بیش بہا خزانہ محفوظ کیا بلکہ عام قاری کے لیے بھی دل چسپی کا سامان پیدا کیا۔ ان شخصیات اور موضوعات پر جاری کیے گئے نمبروں میں سے طنز و مزاح نگار شخصیات اور طنز و مزاح کا موضوع بھی اپنی طرف توجہ مبذول کرانے میں کامیاب رہا۔ اس کے علاوہ معمول کی اشاعتوں میں طنز و مزاح پر مبنی نگارشات کو نہ صرف جگہ دی گئی، نیز گاہے گاہے طنز و مزاح نگار شخصیات پر خصوصی گوشے بھی شائع کیے۔ اس طرح طنز و مزاح کے فروغ میں اِن ادبی رسائل نے بھرپور کردار ادا کیا۔

یہاں یہ بات وضاحت طلب ہے کہ جب صحافت میں طنز و مزاح کی بات کی جاتی ہے تو عموماً اس سے مراد فکاہیہ کالم نگاری یا ظریفانہ پرچے لیے جاتے ہیں لیکن ادبی صحافت جس سے مراد ادبی رسائل ہیں، ان رسائل میں شائع ہونے والے طنزیہ و مزاحیہ ادب پر شاید ہی کسی نے بات کی ہو۔ ادب اور صحافت میں جو قدرِ مشترک ہے وہ ہے معاشرے اور اپنے زمانے کی عکاسی۔ اس کے باوجود ان دونوں میں واضح فرق موجود ہے۔ خبر کی زبان عام فہم، بول چال کی زبان پر مشتمل ہوتی ہے۔ جس میں معروضیت پائی جاتی ہے۔ یعنی جذبات و احساسات کا اس سے کوئی تعلق نہیں، واقعات کی

تازگی بنیادی شرط ہوتی ہے۔ادب میں عام بول چال کی زبان سے ہٹ کر لفظوں کا انتخاب اس انداز سے کیا جاتا ہے کہ اس کی زبان عام زبان سے ذرا مختلف نظر آئے ،جس سے یہ عام فہم بھی نہیں رہتی۔ اس میں جذباتیت اور احساسات کو دخل ہوتا ہے۔لیکن واقعات جس سے مواد اخذ کیا گیا ہے برسوں پرانے بھی ہو سکتے ہیں۔صحافت کا دائرہ کار صرف حال تک محدود ہوتا ہے اور یہ اپنے اندر زمان و مکاں سے باہر نکلنے کی طاقت نہیں رکھتی۔صرف ایک محدود عرصہ تک ہی اپنے اندر دلچسپی برقرار رکھ پاتی ہے جب کہ ادب تینوں زمانوں حال، ماضی، مستقبل کو محیط ہوتا ہے اور اپنے اندر زمان و مکاں کی حدوں سے تجاوز کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، جس سے ادبی اقدار کو دوام حاصل ہوتا ہے۔

جب ہم اُردو صحافت میں طنز و مزاح کے آغاز و ارتقا کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اخبارات کے ذریعے طنزیہ و مزاحیہ ادب کو فروغ دینے والے بنیادی طور پر ادیب یا شاعر پہلے تھے، صحافی یا طناز بعد میں تھے۔''اودھ پنچ'' کے ایڈیٹر منشی سجاد حسین بنیادی طور پر ناول نگار تھے۔اُن کے دو ناول ''حاجی بغلول'' اور ''احمق الذی'' اُردو طنز و مزاح کی تاریخ میں اہمیت کے حامل ہیں لیکن انھوں نے تحریک سرسید کی مخالفت میں ''اودھ پنچ'' میں ایسی چوٹیں کیں جو سراسر پھکڑ پن اور ابتذال پر مبنی تھیں۔سرسید احمد خان ''تہذیب الاخلاق'' کے ذریعے مسلمانوں کو مغربی علوم و فنون سیکھنے اور انگریزی تہذیب اختیار کرنے پر مائل کر رہے تھے۔''اودھ پنچ'' جو قدامت پرستی کا قائل اور مغربی تعلیم و تہذیب کا مخالف تھا، نے سرسید کی زبردست مخالفت کی۔دونوں فریق اگرچہ مسلمانوں کی بھلائی ہی چاہتے تھے لیکن ان کی سوچ میں وہی فرق تھا جو صحافت اور ادب میں ہے۔پہلا گروہ صرف حال پر نظر رکھے ہوئے تھا جب کہ دوسرے کی نظر مستقبل پر تھی۔یہی وجہ ہے کہ جب اکبر کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو سرسید کی خدمات کا اعتراف اپنی شاعری میں کیا۔

ڈاکٹر فوزیہ چودھری کی ایک بات جو انھوں نے اپنی کتاب ''اُردو کی مزاحیہ صحافت'' میں تحریر کی، اُس کو موضوع بحث بنانے سے پہلے اقتباس ملاحظہ کیجیے :

> ''خبر کے علاوہ کالم تو خالصتاً ادبی حیثیت کے حامل ہوتے ہیں۔ان میں نہ صرف ہنگامی حالات کو ہی موضوع بحث بنایا جاتا ہے بل کہ مستقل حیثیت کے حامل عنوانات بھی کالم کا موضوع ہوتے ہیں۔'' (۷)

فوزیہ صاحبہ کا یہ کہنا کہ خبر کے علاوہ کالم تو خالصتاً ادبی حیثیت کے حامل ہوتے ہیں، درست معلوم نہیں ہوتا۔ اگر ہم روزناموں میں چھپنے والے کالموں پر نظر ڈالیں تو اِن میں کسی ملکی یا عالمی مسئلے پر تجزیہ کیا جاتا ہے۔ یہ مسائل سماجی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ کالم عمومی طور پر صحافیانہ زبان میں تحریر کیے جاتے ہیں۔ ہمیں صرف اُن کالموں میں ادبیت جھلکتی نظر آتی ہے جن کے لکھنے والے ادیب پہلے ہیں، صحافی بعد میں اور ایسے کالم لکھنے والے بہت کم رہ گئے ہیں جب کہ فکاہیہ کالم تو اب کسی ایک آدھ اخبار ہی میں دیکھنے کو ملتا ہے۔

آزادی کے بعد بہت سے ادیب فکاہیہ کالم لکھ کر معاش کما رہے تھے۔ ایسے ادیبوں یا طنز ومزاح نگار شخصیتوں میں شوکت تھانوی، ابراہیم جلیس، مجید لاہوری، ابن انشاء، نصر اللہ خان، احمد ندیم قاسمی، مشفق خواجہ، عطاء الحق قاسمی وغیرہ شامل ہیں۔ لیکن اس سے یہ گمان کرنا کہ فکاہیہ کالم نگاری کے ذریعے ہی مزاحیہ صحافت کو فروغ ملا، درست نہیں۔ ان شخصیات نے صحافت سے ہٹ کر بھی طنزیہ و مزاحیہ ادب تخلیق کیا جس کی وقعت فکاہیہ کالم نگاری سے زیادہ ہے۔ فکاہیہ کالم نگاری میں طنز ومزاح نگار کو ہر روز قاری کے سامنے کچھ نہ کچھ ناشتے پر پیش کرنا ہوتا ہے جب کہ سنجیدہ مزاحیہ ادب جس میں تہہ داری بھی ہوتی ہے کئی ناشتوں کے وقفے سے ہی وجود میں آسکتا ہے۔ اس کے لیے ریاضت درکار ہوتی ہے جب کہ صحافتی مزاح بسیار نویسی کو فروغ دیتا ہے۔ ایک اور غلط فہمی جس کا یہاں ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے وہ ڈاکٹر ظفر عالم ظفری کا یہ کہنا ہے:

> ''جدید طنز ومزاح نے صحافت کے ذریعے ہی حیاتِ جاوید حاصل کی۔ بیسویں صدی میں جتنے بھی طنز نگار شاعر اُبھر کر سامنے آئے وہ سب کے سب صحافتی طنز ومزاح کی روایت سے منسلک ہیں۔''(۸)

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اُردو ادب میں طنز ومزاح کا آغاز ظریفانہ اخبارات کا مرہونِ منت ہے۔ اور یہ صورت حالِ بیسویں صدی کے آغاز سے لے کر ترقی پسند تحریک کی ابتدا تک، جسے اُردو طنز ومزاح کا عبوری دور بھی کہتے ہیں، جاری رہتی ہے۔ تاہم اس کے بعد صورتحال یکسر مختلف ہو جاتی ہے۔ ترقی پسند تحریک کی ابتدا سے لے کر ۱۹۸۰ء کی دہائی تک ہمیں اُردو طنز ومزاح اپنے عروج

تک کا سفر طے کرتا دکھائی دیتا ہے یہ وہ وقت ہے جب اُردو طنز و مزاح کا اُسلوب بھی رومانویت کے دائرے سے نکل کر حقیقت نگاری کے قریب آ پہنچتا ہے اور موضوعات بھی کسی خیالی دنیا کی بجائے اسی جیتی جاگتی دُنیا سے متعلق ہو گئے۔

اس دور کے بیشتر طنز و مزاح نگار کالم نگاری سے ہٹ کر اپنی تخلیقات پیش کر رہے تھے۔ پطرس بخاری اپنے مضامین بعنوان ''مضامینِ پطرس'' ۱۹۳۴ء میں شائع کر چکے تھے۔ رشید احمد صدیقی کا مجموعہ مضامین ''مضامین رشید'' ۱۹۴۱ء شفیق الرحمٰن کی کتاب ''کرنیں'' (۱۹۴۲ء) فرقت کا کوروی کی ''مداوا'' (۱۹۴۴ء) کرشن چندر کا مجموعۂ مضامین ''ہوائی قلعے'' (۱۹۴۰ء) کنہیا لال کپور کی کتاب ''سنگ وخشت'' (۱۹۴۲ء) قیام پاکستان تک شائع ہو چکی تھیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد بھی ان کی نگارشات کتابی شکل میں شائع ہوتی رہیں۔ ان کے علاوہ دیگر ادیب جنھوں نے صحافت سے ہٹ کر مزاحیہ ادب تحریر کیا اُن میں محمد خالد اختر، کرنل محمد خان، صدیق سالک، مشتاق احمد یوسفی وغیرہ شامل ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد جو طنزیہ و مزاحیہ ادیب صحافت سے وابستہ ہو کر اپنی نگارشات پیش کر رہے تھے اُن میں شوکت تھانوی، ابراہیم جلیس، فکر تونسوی، مجتبیٰ حسین، احمد جمال پاشا، ابن انشا شامل ہیں۔ یہ حضرات کالم نگاری کے ساتھ ساتھ الگ سے بھی مزاحیہ مضامین لکھتے تھے جو عام طور پر ادبی رسائل میں یا ظریفانہ پرچوں میں شائع ہونے کے بعد کتابی شکل میں پیش کر دیے جاتے تھے۔ اس طرح ڈاکٹر ظفر عالم ظفری کا یہ کہنا ہے کہ جدید طنز و مزاح نے صحافت کے ذریعے ہی حیاتِ جاوید حاصل کی، درست معلوم نہیں ہوتا۔

دوسری بات جو ڈاکٹر ظفر عالم ظفری نے کہی کہ بیسویں صدی میں جتنے بھی طنز نگار شاعر اُبھر کر سامنے آئے وہ تمام صحافتی طنز و مزاح کی روایت سے منسلک ہیں، اپنے اندر مبالغے کو لیے ہوئے ہے۔ اگر ہم بیسویں صدی میں طنزیہ و مزاحیہ شاعروں کا جائزہ لیں تو ہمیں بہت سے شاعر ایسے ملتے ہیں جو اپنا کلام صرف اخبارات کے ذریعے ہی پیش نہیں کر رہے تھے۔ یا وہ طنزیہ و مزاحیہ قطعات روزانہ کی بنیاد پر اخبارات کے لیے نہیں لکھتے تھے، بل کہ طنزیہ و مزاحیہ شعرا کی اکثریت اپنا کلام مشاعروں کے ذریعے پیش کرتی رہی جسے بعد میں کتابی شکل میں شائع کروایا جاتا رہا۔

اودھ پنچ کے ابتدائی دور میں ادیبوں کی طرح شعرا بھی اپنا طنزیہ ومزاحیہ کلام ''اودھ پنچ'' یا اس کی روایت میں نکلنے والے دیگر ظریفانہ پرچوں میں پیش کرتے رہے۔ بیسویں صدی کے آغاز میں مولانا ظفر علی خان اور شبلی اپنی طنزیہ نظمیں ''زمیندار''، ''الہلال'' اور ''ہمدرد'' اخبار کے لیے لکھتے رہے۔ لیکن یہ بات ارتقائی دور میں نظر نہیں آتی۔ اقبال اور جوش ملیح آبادی کا طنزیہ کلام اخبارات کا مرہونِ منت نہ تھا۔ بیسویں صدی میں جن شعرا نے طنزیہ ومزاحیہ شاعری کو اس کے عروج تک پہنچایا اُن میں سید محمد جعفری، سید ضمیر جعفری، دلاور فگار، مرزا محمود سرحدی، شیخ نذیر احمد، انور مسعود، سرفراز شاہد، ڈاکٹر انعام الحق جاوید یہ سب شعرا اپنا کلام بغیر کسی صحافتی وابستگی کے شائع کرواتے رہے۔ البتہ چند مزاحیہ شاعر ایسے ہیں جو کسی اخبار سے وابستہ رہ کر اپنا کلام پیش کرتے رہے۔ اُن میں مجید لاہوری، حاجی لق لق، رئیس امروہوی وغیرہ کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ یہاں تک کہ اُردو کی مزاحیہ شاعری کے امام اکبرالہ آبادی کا تمام کلام اخباروں کی زینت نہیں بنا۔ اس لیے یہ کہنا کہ تمام طنز نگار شاعر صحافتی روایت سے وابستہ رہے، انتہاؤں کو چھونے کے مترادف ہے۔

عام طور پر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ صحافتی ادب کا دائرہ اُردو ادب کے دائرے سے کشادہ ہے۔ اگر اس دائرہ سے مراد اخبارات تک عام آدمی کی رسائی ہے تو یہ بات بادی النظر میں درست نہیں۔ اگر ایک ادبی مجلّہ جس میں طنز ومزاح کے حوالے سے کچھ نہ کچھ شامل ہوتا ہے اُس کے بارے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ رسائل باذوق لوگوں کے لیے ہوتے ہیں۔ اس لیے اس کا دائرہ محدود ہے۔ جب اسی قسم کا مزاحیہ کالم یا مزاحیہ قطع جس میں ادبیت اسلوب کی حد تک ضرور ہوتی ہے۔ ایک عام آدمی کی دل چسپی کا باعث کیسے ہوسکتا ہے۔ اگر ہم اپنی روزمرہ زندگی میں دیکھیں تو کتنے لوگ خبریں پڑھتے ہیں اور کتنے فی صد لوگ مزاحیہ قطعات اور فکاہیہ کالم پڑھتے ہیں تو اس حساب سے یہ فکاہیہ کالم اور مزاحیہ قطعات بھی اپنے دائرہ کار میں محدود ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ بھی صرف باذوق لوگوں کا ہی ہدف بنتے ہیں۔

فکاہیہ کالم نگاری کے علاوہ صحافت میں طنز ومزاح کا موضوع جسے بنایا گیا ہے وہ ظریفانہ پرچے ہیں۔ اس میں دوسری رائے نہیں کہ اُردو ادب میں طنز ومزاح کا باقاعدہ آغاز ''اودھ پنچ'' جیسے ظریفانہ پرچے سے ہوا جس کی روایت میں دیگر پنچی رسائل بھی نکلے جو اپنی طبعی عمر پوری کر کے فوراً ہی بند ہوگئے۔ اس کی وجہ غالباً یہی تھی کہ وقتی مزاح پیدا کرنے کے لیے جو حربے استعمال کیے جاتے تھے وہ

مستقل ادب کو فروغ نہیں دے سکتے تھے۔ یہ ظریفانہ پرچے روایت کو بیان کرتے ہوئے گنوائے تو جاتے ہیں، لیکن بمشکل ہی مطالعہ کی طرف راغب کر پاتے ہیں۔ ان پرچوں میں معاشرے کی بے اعتدالیوں کو ہی نشانہ بنایا جاتا تھا لیکن اس کے لکھنے والے ایک طناز صحافی کی مانند انقلابی تبدیلی چاہتے تھے جس میں انھیں عارضی کامیابی بھی مل جاتی تھی۔ لیکن کسی خرابی یا ناہمواری کو مستقلاً دور کرنے کے لیے جس انداز میں انسانی ضمیر کو جھنجھوڑنے اور اعلیٰ قدروں کی طرف راغب کرنے کی ضرورت ہوتی ہے یہ کام صرف اعلیٰ ادب ہی کر سکتا ہے۔ اعلیٰ طنزیہ و مزاحیہ ادب صرف حال کو مدنظر رکھ کر تخلیق نہیں کیا جا سکتا۔ یہ زمان و مکاں کی قیود سے باہر نکل کر ہی تخلیق کیا جا سکتا ہے جو کسی بھی زمانے میں پڑھا جائے اور دنیا کے کسی بھی ملک میں ترجمہ کے ذریعے پیش کیا جائے، اپنی دل چسپی ہر دور میں برقرار رکھتا ہے۔ اس کے برعکس مزاحیہ کالموں اور ظریفانہ پرچوں کو پڑھ کر قہقہہ تو لگایا جا سکتا ہے لیکن سوچنے پر مائل کم ہی کیا جا سکتا ہے۔

آخر میں ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ ادبی رسائل میں جس قسم کا طنزیہ و مزاحیہ ادب پیش کیا جاتا ہے وہ اعلیٰ ادبی ذوق کا حامل ہوتا ہے یا نہیں تو اس کے جواب میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ظریفانہ پرچوں اور فکاہیہ کالموں کی نسبت، ادبی رسائل میں شایع ہونے والا مواد یقیناً بہتر ہوتا ہے۔ ظریفانہ پرچوں کی یہ مجبوری ہوتی ہے کہ انھوں نے صرف ظریفانہ مواد ہی شائع کرنا ہوتا ہے اس لیے ان پرچوں کے مدیر طنز و مزاح لکھنے والوں سے ہر ماہ کچھ نہ کچھ حاصل کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ چوں کہ بہت کم طنز و مزاح لکھنے والے دستیاب ہوتے ہیں اور نیا مواد پیش کرنا بھی ضروری ہوتا ہے تو اس کا نتیجہ آورد، بسیار اور زود نویسی کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ ہمارے سامنے شوکت تھانوی جیسے مزاح نگاروں کی مثالیں ہیں جو معاش کے لیے ایک رات میں اپنا مقبول ترین ناول "بیوی" لکھ سکتے ہیں۔ (۹) تو ایسے ادب کی حیثیت کیا ہو گی ہم خوب جانتے ہیں۔ یہی حال فکاہیہ کالم نگاری میں ہوتا ہے۔ جس کے لکھنے والے بنیادی طور پر ادیب ہی ہوتے ہیں لیکن مشاہدے اور تخلیق کے درمیان وقفہ نہ ہونے کے باعث اعلیٰ معیار قائم نہیں رکھ پاتے۔

اعلیٰ درجے کی تخلیق کے لیے بنیادی چیز مشاہدے اور تخلیق کے درمیان مناسب وقفے کا ہونا ہے۔ اس وقفے کے دوران میں کوئی بھی تخلیق کار مختلف پہلوؤں پر غور کرتا ہے۔ پھر اس کو ضبطِ تحریر میں

لاتا ہے اور اپنی ریاضت سے اس کو خوب سے خوب تر بناتا ہے۔ ادبی رسائل جو ایک ماہی، دو ماہی یا سہ ماہی ہوتے ہیں اس میں تنقیدی مقالات، شاعری، اصنافِ نثر کے علاوہ دو چار مضامین طنز و مزاح سے بھی لیے جاتے ہیں۔ یہ مضامین یا کلام شاعر و ادیب اپنی مرضی سے مدیرِ مجلّہ کو بھجواتے ہیں جس کے معیار کو جانچنے کے بعد ہی اِن کو شماروں میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس لیے ان نگارشات میں آورد کو دخل نہیں ہوتا۔ پھر یہی رسائل جب طنز و مزاح نمبر یا طنز و مزاح شخصیات پر خصوصی نمبر اور گوشے شائع کرتے ہیں تو ان رسائل میں شائع ہونے والی تخلیقات کو منتخب کیا جاتا ہے اور شخصیت پر مضامین لکھنے کے لیے اُن کے قریبی دوستوں، رشتہ داروں وغیرہ کو کہہ دیا جاتا ہے اور طنز و مزاح نگار شخصیات کے فن کا جائزہ لینے کے لیے محققین اور ناقدین سے رجوع کیا جاتا ہے۔ اس طرح یہ ادبی رسائل کسی بھی موضوع یا شخصیت پر نکالے گئے نمبر کے ذریعے ایک دستاویز بن جاتے ہیں جو محققین اور ناقدین کے لیے بنیاد کا کام کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

حوالہ جات

(۱) وزیر آغا، ڈاکٹر، اُردو ادب میں طنز و مزاح، لاہور، مکتبۂ عالیہ، ۲۰۰۷ء، ص ۳۲۰

(۲) وزیر آغا، ڈاکٹر، اُردو ادب میں طنز و مزاح، ص ۳۲۱

(۳) انور سدید، ڈاکٹر، پاکستان میں ادبی رسائل کی تاریخ، اسلام آباد، اکادمی ادبیات پاکستان، ۱۹۹۲ء، ص ۳۲۲_۳۲۴

(۴) فوزیہ چودھری، ڈاکٹر، اُردو کی مزاحیہ صحافت، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء، ص ۵۶

(۵) امداد صابری، تاریخ صحافتِ اُردو (جلد اوّل)، س۔ن، ص ۳۱۲

(۶) رؤف پاریکھ، ڈاکٹر، اُردو نثر میں مزاح نگاری کا سیاسی اور سماجی پس منظر، کراچی، انجمن ترقی اُردو، ۱۹۹۴ء، ص ۲۲۳، ۲۲۴

(۷) فوزیہ چودھری، ڈاکٹر، اُردو کی مزاحیہ صحافت، ص ۴۱

(۸) ظفر عالم ظفری، ڈاکٹر، اُردو صحافت میں طنز و مزاح، لاہور، فیروز سنز، ۱۹۹۶ء، ص ۳۲

(۹) عشرت رحمانی، شوکت تھانوی، مشمولہ "نقوش" شوکت تھانوی نمبر، لاہور، ادارۂ فروغ اُردو، ص ۵۲۲

❁❁❁